آزادی کے بعد اردو غزل کا منظر نامہ

ڈاکٹر ثمینہ ندیم

Dr. Samina Nadeem

Associate Professor, Department of Urdu,
Govt. Post Graduate Islamia College For Women,
Cooper Road, Lahore.

Abstract:

Urdu Ghazal since the independance of Pakistan has gone through significant changes in both subject matters as well as diction. The Survey of these changes brings out the major transformation in the genre. Urdu Ghazal after partition has expressed the trauma of migration in a very storng manner. The country witnessed great horrors and these found experssion in the poetry of Nasir Kazmi, Majeed Amjad , Munir Niazi and others. Urdu Ghazal gained new depths and adopted new imagery to reflect realities of society after partition. It also effected the imagery, symbols and characters as well as their significance. In this Article Dr. Samina Nadeem describes the major changes in Urdu Ghazal After Azadi.

آزادی کے بعد لکھی جانے والی غزل میں طرز احساس کی تبدیلی کے ساتھ نئے شعری زاویوں کے رنگ بھی شامل ہیں ہر عہد کی مخصوص صورت حال کا منظر نامہ اس عہد کی غزل میں ملتا ہے اردو غزل گو شعراء نے ہمیشہ ماحول اور سماج کی بھرپور عکاسی کی، ۱۹۴۷ء کے بعد لکھی جانے والی غزل میں نفسیاتی الجھنوں اور تہذیبی انتشار کا ذکر بھی کیا گیا۔ چنانچہ غزل میں روایتی مضامین کی بجائے فرد کے داخلی احساسات و واردات کو بھی رواج ملا۔ ہجرت کرنے والے شعراء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں خارجی شکست وریخت کے ردعمل کے طور پر باطنی تعمیر کی طرف توجہ دی گئی۔ ناصر کاظمی کی غزل کی بنیاد ہی ہجرت ہے، بچھڑے ہوئے دوستوں، جلی ہوئی بستیوں کا تذکرہ اور محبوب کی یاد اس کے ہاں قاری کو اپنا تجربہ محسوس ہوتا ہے۔

رونقیں تھیں جہاں میں کیا کیا کچھ
لوگ تھے رفتگاں میں کیا کیا کچھ(۱)

کہیں اجڑی اجڑی سے منزلیں کہیں ٹوٹے پھوٹے سے بام و در
یہ وہی دیار ہے دوستو ، جہاں لوگ پھرتے تھے رات بھر(۲)

زمیں لوگوں سے خالی ہو رہی ہے
یہ رنگ آسمان دیکھا نہ جائے(۳)

ابوالکلام قاسمی نے اپنے مضمون ''نئی غزل کی پہچان'' میں لکھا:

''خارجی صورت حال نے داخلی سطح پر جس کنفیوژن کو جنم دیا تھا اُس میں نئے شاعروں نے اپنی بوطیقا آپ تیار کرنے کی کوشش کی تاریخ کے اس موڑ پر غزل کے شاعروں کا احساس بھی اپنے متقدمین میں سے مختلف تھا اور طرز احساس بھی۔''(۴)

تقسیم کے بعد غزل گو شعراء نے زوال پذیر تہذیبی اور معاشرتی اقدار کو قابل افسوس جانا ہجرت کا تجربہ اجتماعی تجربہ تھا آزادی کے بعد بڑے شہروں کی تجارتی اور ہنگاموں سے بھرپور زندگی نے اردو غزل کو نفسیاتی طور پر بھی متاثر کیا۔

شہر کو برباد کر کے رکھ دیا اُس نے منیر
شہر پر ظلم میرے نام پر اس نے کیا
میں بہت کمزور تھا اس ملک میں ہجرت کے بعد
مجھے اس ملک میں کمزور تر اس نے کیا(۵)

ہے ابھی آغاز دن کا اس دیار قید میں
ہے ابھی سے دھیان سارا شب کے پہرے کی طرف(۶)

ہر اک شب ہر گھڑی گزرے قیامت یوں تو ہوتا ہے
مگر ہر صبح ہو روز جزا، ایسے نہیں ہوتا!(۷)

ڈاکٹر محمد حسن نے درست لکھا ہے:

''پاکستان میں شعری حسّیت کے کئی روپ تھے ایک تو وہ مہاجر شعراء تھے جو ہندوستان کے مختلف طبقات اور شہروں سے ہجرت کر کے پاکستان پہنچے تھے انھیں اپنا کھویا ہوا ماضی کا محاورہ عزیز تھا۔''(۸)

آزادی کے بعد غزل کی مقبولیت میں انہی تہذیبی معاشرتی اور نفسیاتی اسباب کو بڑا دخل ہے۔ شاعر ایک طرف ماضی سے اپنا رشتہ مستحکم رکھنا چاہتا ہے۔ دوسری طرف نیا زمانہ اُسے اپنی طرف کھینچے چلا جاتا ہے۔ احساس کی اس دورخی نے شاعر کو بہت تنہا کر دیا اب وہ ہجوم میں بھی اکیلا ہے۔

جہاں تنہائیاں سر پھوڑ کے سو جاتی ہیں
ان مکانوں میں عجب لوگ رہا کرتے تھے(۹)

میں بچ بھی جاؤں تو تنہائی مار ڈالے گی
مرے قبیلے کا ہر فرد ، قتل گاہ میں ہے(۱۰)

ناصر کاظمی نے اپنے ریڈیو فیچر ''شاعر اور تنہائی'' میں کہا تھا:

''دنیا کی ہر شے تنہائی کی کوکھ سے جنم لیتی ہے اس عالم کی تمام مخلوقات تنہائی کے پردوں ہی میں نشوونما پاتی ہیں انسان شعور رکھتا ہے اس لیے وہ تمام مخلوقات کے مقابلے میں زیادہ حساس ہے شاعر کی تنہائیوں نے اس دنیا کے گوشے گوشے کو ایک حیات تازہ بخشی ہے اور اس کی تنہائی کا یہ سفر ابد تک جاری رہے گا۔''(۱۱)

غزل میں جدید حسیت کے ساتھ عشق و محبت کے جذبات بھی مرکزی حیثیت رکھتے ہیں مولانا حالی نے کہا تھا:

''غزل کے لیے ایک ضروری بات قرار پا گئی ہے کہ اس کی بنیاد عشقیہ مضامین پر رکھی جائے۔''(۱۲)

اور مولانا شبلی کے خیال میں:

''غزل کا اصلی سرمایہ خمیر عشق و محبت کا اظہار ہے۔''(۱۳)

آزادی سے قبل غزل عشق اور تصوف کے دائروں میں گھومتی رہی غزل کی اس روایت میں عاشق ہمہ وقت عاجزی کا نمونہ تھا جو اپنے محبوب کے در پہ سر جھکانے کو ہی فخر گردانتا اسے دنیاوی معاملات سے کوئی شغف نہ تھا محبوب کا ہر ظلم تقدیر کا لکھا سمجھ کر ہنسی خوشی برداشت کرتا لیکن اب اس رویے میں واضح تبدیلی آ چکی ہے عشق کا جذبہ اب بھی موجود ہے مگر اس جذبے کی مطلق العنانیت باقی نہیں رہی اب اردو غزل کا عاشق محض عاشق نظر نہیں آتا بلکہ کاروبار دنیا میں دلچسپی رکھتا ہے، کیونکہ وہ گلوبلائزیشن کے دور میں جی رہا ہے اور اپنی ذات کی پامالی اُسے منظور نہیں۔ کلاسیکی غزل میں تو عاشق بعد از مرگ محبوب کی آمد کو غنیمت خیال کرتے مگر اب زمینی حقائق کچھ اور ہیں اب تو عاشق محبوب کے اچانک مہرباں ہونے کا جواز ڈھونڈتا ہے۔

تیرے بغیر بھی غنیمت ہے زندگی
خود کو گنوا کے کون تیری جستجو کرے(۱۴)

جدا ہوئے ہیں بہت لوگ ایک تم بھی سہی
اب اتنی بات پہ کیا زندگی حرام کریں(۱۵)

تیرے قریب رہ کے بھی دل مطمئن نہ تھا
گزری ہے مجھ پہ یہ بھی قیامت کبھی کبھی(۱۶)

عشق نے سیکھ ہی لی وقت کی تقسیم کہ اب
وہ مجھے یاد تو اتا ہے مگر کام کے بعد(۱۷)

لوٹنا ہے مجھے گھر جائے گا آخر وہ بھی
میں بھی غربت میں ہوں مانند مسافر وہ بھی(۱۸)

ان اشعار میں عشق کی متنوع اور مختلف کیفیات کی ترجمانی بھی ہے اور بدلے ہوئے عشقیہ تصورات کی جھلک بھی یہ ایک ہی عصر کے مختلف تصورات عشق کی زندگی سے بھرپور ''حسی تصویریں'' ہیں آج غزل میں انسانی رشتوں کا بدلا ہوا نظام اور طرز احساس کی تبدیلی شعری تجربے میں نمایاں ہے عشق کا ماورائی تصور اور متصوفانہ رُخ یہاں نہیں ہے اردو غزل میں بدلا ہوا یہ احساس وقت کے ساتھ ساتھ اور بڑھا اور شعراء کے ہاں اس کا بھرپور اظہار بھی ملتا ہے:

بات تو کچھ بھی نہیں تھی لیکن اس کا ایک دم
ہاتھ کو ہونٹوں پہ رکھ کر روکنا اچھا لگا
بے ارادہ لمس کی وہ سنسنی پیاری لگی
کم توجہ آنکھ کا وہ دیکھنا اچھا لگا(۱۹)

بدن کا پہلے پہل آگ چکھنا
رگ وپے میں کوئی لذت عجب تھی(۲۰)

آزادی کے بعد اردو غزل میں نہ صرف تصورات عشق و محبت تبدیل ہوئے بلکہ عصری احساس کی دردمندی کے ساتھ نئی حسیت کا شعور بھی شامل ہوا۔ فیض احمد فیض نے کہا تھا:

''بڑی شاعری کی یہی علامت ہے اور بڑے شاعر کا یہی ثبوت ہے
کہ جو مضمون وہ بیان کرتا ہے اس کی وسعت اس کے عہد کی وسعت

کے مقابلے میں کتنی ہے اور اس کے اپنے درد کے علاوہ باقی دنیا اور
باقی انسانیت کا کتنا درد اس نے اپنے کلام میں شامل کیا ہے جتنا
زیادہ اور عظیم اسکا درد ہوگا اتنا ہی عظیم اسکا کلام ہوگا۔''(۲۱)

پاکستانی غزل گو شعراء کے ذہن اپنے عہد میں فروغ پانے والے مختلف فکری خیالات و تصورات سے متاثر ہوئے اور انہوں نے غزل میں محض انفرادی جذبات اور مجرد خیالات کی بجائے سماجی اور اجتماعی جذبے کو جگہ دی اب گلوبلائزیشن کے اس دور میں ملکی اور عالمی حالات نیز شاعر کا اپنا تجزیہ اور اس کے اردگرد کے مشاہدات سب نے اظہار کی راہ پائی:

عرش سے سچ کی ہدایت بار ہا ملتی رہی!
ہم جو سچ بولے تو کیوں اس کی سزا ملتی رہی(۲۲)

اے جلتے ہوئے گھر کے لوگو! شعلوں میں گھرے کیا سوچتے ہو
جب آگ بجھانا مشکل ہے، باہر نکل آؤ کچھ تو کرو!!(۲۳)

سوال حرمت میزان بے توقیر کے بعد
جو زیر آستیں تھا اب وہ خنجر سامنے ہے(۲۴)

دروازے پر پڑے ہوئے تھے ڈھیر شکستہ خوابوں کے
دالانوں میں نفرت کے آسیب نے ڈیرا ڈالا تھا(۲۵)

یہ منصف بھی تو قیدی ہیں ہمیں انصاف کیا دیں گے
لکھا ہے ان کے چہروں پر جو ہم کو فیصلہ دیں گے!(۲۶)

کس بستی میں ہو گی سچ کی حرمت
ہمارے شہر میں باطل بڑا ہے(۲۷)

جو صبح سرمد و منصور تھے انھیں سر شام
حضور شاہ سراپا سپاس بھی دیکھا(۲۸)

نہ کسی پہ زخم عیاں ، نہ کسی کو فکر رفو کی ہے
نہ کرم ہے ہم پہ حبیب کا نہ نگاہ ہم پہ عدو کی ہے(۲۹)

اردو غزل نے ہمیشہ لوگوں کے بدلتے ہوئے شعور و فکر کا ساتھ دیا وقت کے ساتھ جہاں علم و

حکمت کو ترقی ہوئی وہاں عوام الناس کے احساس اور تخیل دونوں متاثر ہوئے اب غزل میں نئی جذباتی حقیقتوں کا ادراک ملتا ہے۔ جدید علوم نے انسانی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے درست لکھا ہے:

''جسے حسیت یا احساس اور حس کہتے ہیں وہ تو حیات انسانی کا لازمہ اور تقاضائے بشریت کا خاصہ ہے اور کوئی فرد یا معاشرہ اپنے عہد کی حسیت کا شعور رکھے بغیر خود کو زندہ تو انا نہیں کہہ سکتا۔''(۳۰)

آزادی کے بعد جدید شاعروں کی ایک ایسی نسل سامنے آئی جو انسانی تہذیب و تمدن اور کائنات کی تغیر پذیر حقیقتوں کو سمجھنے کی شعوری کوشش کر رہی ہے وہ کسی بھی چیز کو اپنے ادراک کے بغیر قبول نہیں کرتی جدید شعری حسیت میں انسان کی باطنی اور خارجی کش مکش صاف نظر آتی ہے بعض شعراء کے ہاں یہ اجتماعی زندگی کے شعور کی علامت بن گئی ہے۔

مجھ سے خفیف ہیں مرے ہم عصر اس لیے
میں داستان عہد ستم کھل کے کہہ گیا(۳۱)

عجیب نہیں کل اسی کی زبان کھینچی جائے
جو کہہ رہا ہے خموشی زبان سے اچھی ہے(۳۲)

تو نے ہر عدل قیامت پہ اٹھا رکھا ہے
اے خدا میں ترا معیار کہاں سے لاؤں(۳۳)

اکیسویں صدی کا عہد تخلیقی عمل سے گزر کر اپنا بھرپور احساس دلاتا ہے۔ غزل میں نت نئے تجربے ہو رہے ہیں نیا ڈکشن اور نفسیات کے نئے انداز سامنے آ رہے ہیں۔ اب تجربے میں جذبے اور فکر کی بے شمار سمتیں ہیں بقول ڈاکٹر حنیف فوق:

''آج کی شاعری ہر لمحے کے مشاہدے کو ایک حسی تجربے میں ڈھالنے کی کوشش ضرور کرتی ہے لیکن یہ گریز پا لمحے دوسرے لمحوں کے مشاہدات سے مل کر ہی زندگی کی آگہی کا سراغ دیتے ہیں۔''(۳۴)

جدید عہد میں سماجی سیاسی اور تہذیبی سطح پر جو انسانی عادات و خصائل میں تبدیلی رونما ہوئی، اسکا واضح عکس غزل کے نئے منظر نامے میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اب غزل گو بے حسی، خود غرضی، فضائی آلودگی، خود غرضی، اجنبیت اور بیگانگی کے رویوں پر شاکی نظر آتے ہیں۔ تنہائی، خود غرضی اور سرمایہ پرستی کے رجحانات بیسویں صدی میں ہی پھیلنے لگے۔ شہروں کی وسعت کے ساتھ حساس ذہنوں پر صنعتی

گرفت سخت ہونے لگی غربت کے احساس میں اضافہ ہوا۔ معاشی، سماجی اور سیاسی مسائل کے اظہار میں حسیاتی شعور کی موجودگی نے غزل کی تاثیر میں اضافہ کیا اب فرد کے باطن اور ظاہر میں مضبوط رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ گلوبلائزیشن کے دور میں سائنسی انداز نظر نے شعراء کو بہت حساس بنا دیا ہے۔ انسانی فکر و تحقیق کے نئے در وا ہو رہے ہیں۔ جہاں اہل قلم سوچ کی نئی شمعیں جلانے میں مصروف کار ہیں۔

سچ جہاں پابستہ، ملزم کے کٹہرے میں ہے
اُس عدالت میں سنے گا عدل کی تفسیر کون؟(۳۵)

آزادی کے بعد اردو غزل نہ صرف موضوعات بلکہ اپنے ڈکشن، لفظیات اور علائم و رموز کے نئے مفاہیم لے کر آئی۔

حوالہ جات

۱۔ ناصر کاظمی، کلیاتِ ناصر، برگ نے، لاہور: جہانگیر بک ڈپو، جنوری ۱۹۹۵ء، ص:۲۷
۲۔ ایضاً، ص:۸۶
۳۔ ایضاً، ص:۵۹
۴۔ ابوالکلام قاسمی، تخلیقی تجربہ، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، اکتوبر ۱۹۸۶ء، ص:۷۰
۵۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر، چھ رنگین دروازے، لاہور: گورا پبلشرز، ۱۹۹۴ء، ص:۶۴
۶۔ منیر نیازی، کلیاتِ منیر، ساعت سیار، لاہور: گورا پبلشرز، ۱۹۹۴ء، ص:۵۱
۷۔ فیض احمد فیض، سرِ وادیِ سینا، لاہور: مکتبہ دانیال، طبع دہم، ۱۹۸۸ء، ص:۱۲۸
۸۔ محمد حسن، ڈاکٹر، جدید اردو غزل ۱۹۴۰ء کے بعد، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء، ص:۱۱
۹۔ ناصر کاظمی، دیوان، ص:۸۸
۱۰۔ پروین شاکر، ماہِ تمام، اسلام آباد: مراد پبلی کیشنز، دسمبر ۲۰۰۲ء، ص:۱۲۶
۱۱۔ ناصر کاظمی، دیباچہ: پہلی بارش، لاہور: فضل حق اینڈ سنز، ۱۹۹۳ء، ص:۲۳
۱۲۔ حالی، الطاف حسین، مولانا، مقدمہ شعر و شاعری، مرتب: ڈاکٹر وحید قریشی، لاہور: جدید بک ڈپو، ص:۱۰۹
۱۳۔ شبلی نعمانی، مولانا، شعر العجم، حصہ پنجم، الہ آباد: مطبع انوار احمد، ص:۹۲
۱۴۔ احمد فراز، شہرِ سخن آراستہ ہے، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص:۲۲۰
۱۵۔ ناصر کاظمی، دیوان، ص:۵۱
۱۶۔ ناصر کاظمی، برگ نے، ص:۱۷
۱۷۔ پروین شاکر، ماہِ تمام، ص:۱۳۲
۱۸۔ ایضاً
۱۹۔ امجد اسلام امجد، خزاں کے آخری دن، ذرا پھر سے کہنا، لاہور: ماورا پبلشرز، بار اول، ۱۹۹۱ء، ص:۱۲۰۔۱۱۹

۲۰۔ پروین شاکر، ماہِ تمام، ص:۱۵۵
۲۱۔ فیض احمد فیض، متاعِ لوح و قلم، لاہور: مکتبہ دانیال، مارچ ۱۹۸۱ء، ص:۷۰
۲۲۔ احمد ندیم قاسمی: لوحِ خاک، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص:۱۶۱
۲۳۔ ایضاً، ص۳۰
۲۴۔ افتخار عارف، حرفِ باریاب، لاہور: مکتبہ دانیال، طبع اول، ۱۹۹۶ء، ص:۴۲
۲۵۔ امجد اسلام امجد، ذرا پھر سے کہنا، ص:۱۱۷
۲۶۔ حبیب جالب، کلیاتِ حبیب جالب، لاہور: ماورا پبلشرز، بار اول، ۱۹۹۳ء، ص:۲۳۵
۲۷۔ پروین شاکر، ماہِ تمام، ص:۲۷
۲۸۔ ایضاً، ص:۱۶۳
۲۹۔ فیض احمد فیض، سرِ وادیِ سینا، ص:۵۸
۳۰۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، ادب اور ادب کی افادیت، کراچی: اختر کتاب گھر، جنوری ۱۹۹۶ء، ص:۴۲
۳۱۔ حبیب جالب، کلیاتِ حبیب جالب، ص:۲۰۰
۳۲۔ افتخار عارف، حرفِ باریاب، ص:۶۱
۳۳۔ احمد ندیم قاسمی، لوحِ خاک، ص:۱۷۷
۳۴۔ حنیف فوق، متوازی نقوش، کراچی، ص:۳۷۳
۳۵۔ پروین شاکر، ماہِ تمام، ص:۱۰۷

☆.....☆.....☆